عصمتِ انبیاء علیہم السلام

(حضرت مولانا سید احمد سعید کاظمی صاحب شیخ الحدیث)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ قطع نظر دیگر خصوصیات و کمالات نبوّت کے اتنی بات تو ہر اس شخص کے نزدیک مسلّمات سے ہے جو اللہ تعالےٰ کی نازل کی ہوئی کسی کتاب اور دین سماوی پر اعتقاد رکھتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام خدا تعالےٰ کے پیغامبر اور اس کے احکام کے مبلغ ہوتے ہیں جن کا کام لوگوں کو راہ ہدایت دکھانا اور نجات اخروی کے طریقے بتانا ہے عقل و انصاف کی روشنی میں اتنی ہی بات ان کی معصومیت تسلیم کرنے کے لیے کافی ہے۔

مگر انتہائی افسوس و تعجب ان اہل کتاب پر ہے جنھوں نے نبیوں کو نبی مان کر ان کے متعلق ایسے ناپاک من گھڑت قصے وضع کیے اور حیا سوز بہتان تراشے جنھیں سن کر انسانیت شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہے اور ایک انتہائی گنہ گار آدمی بھی ان کے تصور سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

مثال کے طور پر سیدنا لوط علیہ السلام کا ان کی صاحبزادیوں سے متعلق وہ شرمناک واقعہ جو بائیبل میں مرقوم ہے سامنے رکھیے حیا اجازت نہیں دیتی کہ وہ الفاظ نقل کیے جائیں۔ ناظرین کرام اگر تصحیح نقل کے لیے اصل عبارت دیکھنے کے خواہشمند ہوں تو پیدائش باب ۱۹، آیت ۳۰ تا ۳۸ بائیبل صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اس کے جواب میں عیسائیوں کا یہ کہنا کہ یہ سب کچھ لوط علیہ السلام کی لاعلمی میں ہوا ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ان افعال کی نوعیت ایسی ہے جو اللہ کے نبی کی شان کے لائق کسی حال میں نہیں ہو سکتی۔ یہ بے حیائی عام آدمی کے لیے بھی سخت ذلت و رسوائی کا موجب ہے چہ جائیکہ ایک نبی کے لیے اس کا ارتکاب تسلیم کیا جائے۔ ایسی لاعلمی انبیاء علیہم السلام کے منصب نبوّت کے پیش نظر عقل سلیم ایک آن کے لیے بھی ان کے حق میں ممکن تسلیم نہیں کرتی۔ خدا کا نبی خدائے قدوس کی طرف

سے نورِ نبوّت کی وہ روشنی اور بصیرت سلب کر آتا ہے جس کے ہوتے ہوئے اس قسم کی لاعلمی اس کے حق میں ممکن نہیں بلکہ ایسی حالت کا اس پر طاری ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس لاعلمی کے حال میں نبی نورِ نبوّت سے محروم ہوجائے یعنی اس وقت وہ نبی نہ رہے حالانکہ نبوّت ایسی صفت نہیں کہ کسی نبی میں کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ نبی ہر وقت نبی ہوتا ہے اور نورِ نبوّت اس سے کسی حال میں سلب نہیں کیا جاتا۔ ایسی صورت میں لاعلمی کا عذر پیش کرنا بجائے خود لاعلمی کی دلیل ہے۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ نبوّت و رسالت کے کسی کمال کی تکمیل اور اس کے ظہور کے لیے یا اللہ تعالےٰ کی کسی دوسری حکمت کے پورا ہونے کی بنا پر کسی وقت خاص میں نبی پر کسی صفت محمودہ جیسے رحم و کرم، شفقت و رافت کے حال کا غلبہ ہوجائے اور اس کے باعث تھوڑے سے وقت کے لیے نبی پر ہلکا سا عدم التفات یا نسیان طاری ہوجائے تاکہ اس حال میں کمال نبوّت کی تکمیل و ظہور ہو سکے اور اللہ تعالےٰ کی وہ حکمت جس کا پورا ہونا اسی حالت عدم التفات پر موقوف رکھا گیا تھا پوری ہوجائے جس کی مثالیں بکثرت انبیاء علیہم السلام کے بے شمار واقعات کے ضمن میں قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔

مثلاً آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور ان کے علاوہ اللہ تعالےٰ کے دوسرے نبیوں بالخصوص آقائے نامدار، تاجدار مدنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک میں اس قسم کے بہت سے واقعات پائے جاتے ہیں جو اہل علم سے مخفی نہیں، لیکن ان میں سے کوئی واقعہ ایسا نہیں جو کسی لحاظ سے بھی منصب نبوت کے منافی ہو بلکہ ان سب کی نوعیت یہ ہے کہ ان سے کمالاتِ نبوّت کا ظہور اور اللہ تعالےٰ کی حکمتوں کی تکمیل وابستہ ہے۔

اہل کتاب کے نزدیک منصب نبوّت کے بارے میں شرمناک تصور کی ایک جھلک ہم ناظرین کرام کے سامنے بائبل کے حوالہ سے پیش کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق جو اخلاق سوز واقعات اہل کتاب کے یہاں پائے جاتے ہیں ان کا تفصیلی بیان ہمارے لیے ناممکن ہے۔ اہل علم حضرات سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ بعض اہل اسلام ناقلین و مورخین نے بھی اپنی سادہ لوحی کی بنا پر وہ بعض حکایات نقل کر دیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور منصب نبوت کے منافی ہیں۔ متاخرین علماء نے جب انھیں کتاب و سنت اور عقل سلیم کی روشنی میں پرکھا اور ان کی چھان بین کی تو ان پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوگئی کہ یہ سب حکایات و روایات محض بے اصل ہیں اور اہل کتاب کے افترا اور بہتان کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اور ان کے علاوہ

دیگر مفسرین کرام نے اپنی تصانیف جلیلہ میں ان کا ردّ و ابطال فرمایا جیسا کہ تفسیر کبیر وغیرہ میں جا بجا اس کی تصریحات موجود ہیں۔ لیکن ان بعض اہل علم مصنفین پر انتہائی افسوس ہے جنھوں نے اس قسم کی بے سر و پا روایات سے متاثر ہو کر عصمت انبیاء علیہم السلام کا انکار کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ انھوں نے عصمت نبوت کے خلاف دلائل قائم کرنے کی مذموم کوشش کی۔ انشاء اللہ ہم آگے چل کر ان کے جوابات ہدیۂ ناظرین کریں گے۔ غالباً انھوں نے بائیبل کے آسمانی کتاب ہونے کی وجہ سے اس کے تمام بیانات کو قابل قبول سمجھ لیا اور یہ رائے قائم کر لی کہ آسمانی کتاب میں تحریف نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ یہ خصوصیت صرف قرآن مجید کو حاصل ہے کہ اس میں تحریف کلمات ممکن نہیں اسی لیے اس کے نظم کو بھی معجز قرار دیا گیا اور فأتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءكم من دون الله فرما کر اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ قرآن مجید ایسا کلام الٰہی ہے جس کا کوئی حصہ الگ کر کے غیر اللہ کے کلام کا پیوند اس میں نہیں لگایا جا سکتا۔ اور تورات و انجیل کے متعلق صاف صاف ارشاد فرما دیا کہ یحرفون الكلم عن مواضعه۔ مختصر یہ کہ قرآن کا معجز ہونا جن بے شمار حکمتوں کا حامل ہے ان میں ایک عظیم الشان حکمت یہ بھی ہے کہ الفاظ قرآن میں تحریف کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن مجید نازل ہوا خاتم النبیین ہیں۔ اگر آپ کی لائی ہوئی کتاب کے الفاظ میں بھی تحریف ہو جائے تو اس کے ازالہ کے لیے کسی نبی کی بعثت ضروری قرار پائے گی جو ختم نبوت کے منافی ہے۔

چونکہ اس وقت ہمارا موضوع عصمت انبیاء ہے اس لیے ہم اس مسئلہ کو یہاں زیادہ طول نہیں دینا چاہتے۔

دین سماوی کا وجود عصمت نبوّت پر موقوف ہے

جب یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ آسمانی دین صرف انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے نازل ہوا ہے تو عصمت نبوت سے بھی مجال انکار باقی نہیں رہتی کیونکہ جو شخص مجروح ہوتا ہے وہ خود صراط مستقیم پر قائم نہیں رہتا چہ جائے کہ دوسروں کو خدا کے دین اور صراط مستقیم کی طرف بلائے۔

عصمت نبوّت کا عقیدہ اسلام کی خصوصیت ہے

یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کے دامن نبوّت کو ان تمام عیوب و نقائص اور ذمائم و قبائح سے پاک قرار دیا جو عظمت نبوت کے منافی ہیں۔ اسلام کے سوا کسی دین میں عصمتِ نبوّت کا عقیدہ نہیں پایا جاتا۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ ہمارا موضوع ہے عصمۃ انبیاء علیہم السلام جس کے معنی ہیں نبیوں کی عصمت۔ لہذا ہم نبیؔ اور عصمتؔ دونوں کے معنی پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ ناظرین کرام اصل موضوع کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

نبی

لفظ "نبی" منقول عرفی ہے یعنی اسے لغت سے عرف شرع میں نقل کیا گیا ہے۔ پہلے ہم لفظ نبی کے لغوی معنی بیان کرتے ہیں جس کے ضمن میں اس کے ماخذ (نبوّۃ) کے معنی پر بھی روشنی پڑ جائے گی۔ کیونکہ مشتق میں اس کے ماخذ کے معنی کا پایا جانا ضروری ہے۔

لفظ "نبی" کے معنی

نبی کے معنی (۱) مخبِر یعنی خبر دینے والا (۲) مخبَر یعنی خبر دیا ہوا (۳) طریق واضح (۴) ایک جگہ سے دوسری جگہ نکلنے والا (۵) ایک جگہ سے دوسری جگہ نکالا ہوا (۶) پوشیدہ اور ہلکی آواز سننے والا (۷) ظاہر (۸) رفعت اور بلندی والا۔

لفظ نبی کے منقولہ بالا آٹھ معنی لغوی ہیں اور عرف شرع میں نبی اس مقدس انسان کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ایسا مصطفےٰ، مخلص اور برگزیدہ ہو جسے اللہ تعالیٰ یہ فرمائے کہ میں نے تجھے فلاں قوم یا تمام لوگوں کی طرف اپنا مبلغ، پیغامبر اور نبی بنایا ہے، یا میری طرف سے میرے بندوں کو میرے احکام پہنچا دے یا اس قسم کے اور الفاظ جو ان معنی کا فائدہ دیتے ہیں جیسے بعثتك ونبئهم اللہ تعالیٰ لے فرمائے اور "نبوّۃ" عرف شرع میں اخبار عن اللہ کو کہتے ہیں۔ بعض علماء نے اطلاع علی الغیب سے بھی نبوّت کی تفسیر کی ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے 'شفا شریف' میں علامہ قسطلانی نے 'مواہب لدنیہ' میں ارقام فرمایا ہے۔

لفظ نبی کے یہ آٹھ لغوی معنی جو بیان کیے گئے ہیں وہ سب عرفی نبی میں پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے خبردار کیا جاتا ہے اس لیے مخبَر ہے۔ اور ارشادات خداوندی کی خبر اپنی امت کو دیتا ہے لہذا مخبِر ہے، اور اس کی ذات نجات اخروی کا روشن راستہ اور معرفت خداوندی کا وسیلہ ہے اس لیے وہ طریق واضح ہے۔ اللہ کا نبی دشمنوں کی انتہائی ایذا رسانی کے بعد حکم ایزدی ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ جاتا ہے، یا کفار کی طرف سے شدید عداوت کی بنا پر بظاہر اس کا اخراج

عمل میں آتا ہے اس لیے وہ خارج اور مخرج بھی ہے۔ نبی وحی الٰہی کی صوت خفی اور ہلکی آواز سنتا ہے لہذا اس میں صوت خفی سننے کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ نبی علامات نبوّت، معجزات وآیات کا حامل ہونے کی وجہ سے کمال ظہور کی صفت سے متصف ہوتا ہے اس لیے وہ ظاہر بھی ہے جسمانی اور روحانی اعتبار سے اللہ کے نبی کا مقام سب سے بلند ہوتا ہے اس لیے اس میں رفعت اور بلندی کے معنی بھی موجود ہیں۔ نبوّت اور نبی کے معنی کی یہ تفصیلات ہم نے حسب ذیل کتب سے اخذ کی ہیں۔ مسامرہ۔ نبراس شرح مواقف۔ مفردات امام راغب اصفہانی۔ اقرب الموارد۔ شفار قاضی عیاض۔ مواہب لدنیہ۔ عبارات مع تراجم ہدیۂ ناظرین ہیں۔

۱۔ مسامرہ میں ہے

"واما اصله لغة فلفظه بالهمز وبه قرأ نافع من النباء وهو الخبر فعيل بمعنى اسم الفاعل اى مُنَبِّئٌ عن الله وبمعنى اسم المفعول اى مُنَبَّأً لان الملك ينبئهم عن الله بالوحى وبلا همز وبه قرأ الجمهور وهو اما مخفف المهموز بقلب الهمزة واواً ثم ادغام اليأ فيها واما من النبوة او النباوة بفتح النون فيهما اى الارتفاع فهو ايضاً فعيل بمعنى اسم الفاعل او بمعنى اسم المفعول لان النبى مرتفع الرتبة على غيره اومرفوعها" انتہیٰ مسامرہ جلد دوم طبع مصر ص ۸۳

از روئے لغت لفظ نبی کی اصل ہمزہ سے ہے یہی نافع کی قرأت ہے کہ انھوں نے اسے نباء سے مشتق مانا ہے جس کے معنی "خبر" ہیں۔ (اس تقدیر پر) لفظ نبی فعیل کے وزن پر اسم فاعل ہے۔ جس کے معنی ہیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے خبر دینے والا۔ یا اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں منجانب اللہ خبر دیا ہوا۔ اس لیے کہ فرشتہ نبی کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحی کے ساتھ خبر دیتا ہے، اور بلا ہمزہ کے بھی اس کی اصل ہو سکتی ہے۔ جمہور کی قرأت یہی ہے۔ اور اس قول پر لفظ نبی کو مہموز کا مخفف مانا جائے گا بایں طور کہ اس کا ہمزہ واؤ سے بدلا گیا ہے پھر اس میں یأ کو مدغم کر دیا گیا ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ وہ 'نبوۃ' یا نباوۃ سے ماخوذ ہے۔ ان دونوں میں نون مفتوح ہے۔ ان دونوں لفظوں کے معنی ہیں "ارتفاع"۔ اس تقدیر پر بھی لفظ نبی فعیل کے وزن پر اسم فاعل یا اسم مفعول ہے۔ کیونکہ نبی اپنے غیر پر بلند مرتبہ رکھنے والا ہوتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ وہ رتبہ کے اعتبار سے بلند کیا ہوا ہوتا ہے۔

۲۔ نبراس میں ہے

"فالنبى مشتق من النبأ بفتح الباء وهو بمعنى الاخبار او الظهور او من النبأة بسكون

الباء وهو الصوت الخفی وکل من المعانی الثلاثۃ صحیح فی النبی لا نہ المخبر وظاہر الحقیقۃ وسامع الوحی۔" نبراس ص ۸

پس لفظ نبی بناء بفتح الباء سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "اخبار" یا "ظہور"۔ یا بناءۃ بسکون الباء سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "پوشیدہ آواز" اور یہ تینوں معنی نبی میں پائے جاتے ہیں کیونکہ وہ خبر دینے والا بھی ہے اور (علامات نبوت کے ساتھ بحیثیت نبی ہونے کے) ظاہر الحقیقت ہے اور وحی الٰہی (صوت خفی) کو سننے والا ہے۔

۳۔ شرح مواقف میں ہے

"المقصد الاول فی معنی النبی) وھو لفظ منقول فی العرف عن مسماہ اللغوی الی معنی عرفی اما المعنی اللغوی (فقیل ھو المنبئ) واشتقاقہ (من النبأ) فھو حینئذٍ مھموز لکنہ یخفف ویدغم وھذا المعنی حاصل لمن اشتھر بھذا الاسم (لانبائہ عن اللہ تعالٰی وقیل) النبی مشتق (من النبوۃ وھو الارتفاع) یقال تنبئ فلان اذا ارتفع وعلیٰ والرسول عن اللہ تعالٰی موصوف بذالک (لعلو شانہ) وسطوع برھانہ (وقیل من النبی وھو الطریق لانہ وسیلۃ الی اللہ)

شرح مواقف جلد ۸ صفحہ ۲۱۷۔۲۱۸ طبع مصر

"پہلا مقصد نبی کے معنی میں" لفظ نبی اپنے لغوی مسمیٰ سے عرف شرع میں معنی عرفی کی طرف منقول ہے اس کے لغوی معنی کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ نبی کے معنی ہیں خبر دینے والا" اور اس کا اشتقاق النباء سے ہے اس لیے وہ مہموز ہوگا مگر مخفف اور مدغم فیہ"۔ اور یہ معنی یعنی" خبر دینے والا" ہر اس مقدس شخص میں پائے جاتے ہیں جو نبی کے نام سے مشہور ہے کیونکہ وہ منجانب اللہ خبر دیتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نبوۃ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "ارتفاع"۔ عرب کے محاورہ میں تنبئ فلان اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص رفیع المرتبت اور بلند رتبہ ہو جائے۔ اور اللہ کا نبی اپنی شان کی بلندی اور برہان نبوت کی روشنی کی وجہ سے اس کمال کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وہ اس لفظ نبی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "الطریق" یعنی" راستہ" کیونکہ وہ اللہ تعالٰی کی طرف وسیلہ ہوتا ہے۔

۴۔ مفردات میں ہے

" والنبأ الصوت الخفی" مفردات ص ۵۰۰

نباء (بسکون الباء) صوت خفی کو کہتے ہیں۔

اسی مفردات امام راغب میں ہے

"النبی بغیر ھمز ..... وقال بعض العلماء ھو من النبوۃ ای الرفعۃ سمّی نبیّاً لرفعۃ محلہ عن سائر الناس المدلول علیہ بقولہ ورفعناہ مکانا علیا ...
... والنبوۃ والنباوۃ الارتفاع"۔ مفردات ص ۵۰۰ طبع مصر

بعض علماء نے کہا ہے کہ "نبی" "نبوۃ" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں رفعت (بلندی)، اور نبی کا نام نبی اس لیے رکھا گیا کہ اس کا مقام تمام لوگوں سے اونچا ہوتا ہے جس پر اللہ تعالے کا قول ورفعناہ مکاناعلیا دلالت کرتا ہے۔ اور (لغت میں) "نبوۃ" اور "نباوۃ" کے معنی ارتفاع ہیں۔

۵۔ اقرب الموارد میں ہے

"(النبوۃ) اسم من النبیٔ وھی الاخبار عن اللہ تعالیٰ ویقال النبوۃ بالقلب والادغام"۔ اقرب الموارد جلد ۲ ص ۱۲۵۹ طبع مصر

"النبوۃ" اسم ہے "النبیٔ" سے اور وہ نبوۃ اخبار عن اللہ تعالیٰ کے معنی میں ہے اور اس لفظ النبوۃ کو قلب وادغام کے ساتھ النبوۃ بھی کہا جاتا ہے۔

اسی اقرب الموارد میں ہے

"النبی ایضاً الخارج من مکان الیٰ مکان فعیل بمعنی فاعل وقیل المخرج فیکون فعیلا بمعنی مفعول"۔ اقرب الموارد جلد ۲ ص ۱۲۵۹ طبع مصر

ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف نکلنے والے کو بھی "نبی" کہتے ہیں یہ فعیل کے وزن پر اسم فاعل ہے۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف، نکالے ہوئے کو بھی "نبی" کہا گیا ہے۔ اس تقدیر پر فعیل بمعنے مفعول ہوگا۔

لفظ "نبی" کے عرفی معنی

۶۔ شرح مواقف میں ہے

"(واما) مسماہ (فی العرف فھو عند اھل الحق) من الاشاعرۃ وغیرھم الملیین (من قال لہ اللہ) تعالیٰ ممن اصطفاہ من عبادہ (ارسلتک الی قوم کذا اوالی الناس جمیعا او بلغھم عنی ونحوہ من الالفاظ) المفیدۃ لھذا المعنی کبعثتک ونبئھم"۔ شرح مواقف جلد ۸ ص ۲۱۷ طبع مصر

حق پرست علماء اشاعرہ وغیرہم اہل ملت کے نزدیک عرف شرع میں لفظ نبی کا مسمّی وہ مقدس شخص

ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایسا برگزیدہ ہو جسے اللہ تعالیٰ فرمائے کہ میں نے تجھے اپنا پیغامبر بنا کر فلاں قوم یا تمام لوگوں کی طرف بھیجا یا میری طرف سے تو انھیں میرے احکام پہنچا دے۔ اور اس طرح کے الفاظ جن کا مفاد یہی معنی ہوں۔ جیسے بعثتك (میں نے تجھے مبعوث کیا) نبئهم (میری طرف سے میرے بندوں کو خبر پہنچا دے)۔

۷۔ شفار قاضی عیاض میں نبوۃ شرعیہ کی تفسیر ان الفاظ میں فرمائی
" النبوة التی هی الاطلاع علی الغیب" شفار شریف، ص ۴۳
یعنی وہ نبوت جو اطلاع علی الغیب ہے۔

۸۔ بعینہ یہی عبارت مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی ہے، دیکھیے مواہب لدنیہ جلد ا ص ۲۸۱۔

موضوع کلام کا جزو ثانی

موضوع کلام کے جزو اوّل کے بعد جزو ثانی کی طرف آیئے اور لفظ "عصمت" کے معنی پر غور کیجیے۔ ہم اختصار کے پیش نظر اس کے صرف اصطلاحی معنی کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

عصمت کی تعریف

۱۔ مشہور کتاب تعریف الاشیار میں علامہ میر سید شریف جرجانی فرماتے ہیں
" (العصمة) ملكة اجتناب المعاصی مع التمكن منها" تعریف الاشیار ص ۵ طبع مصر
گناہ کر سکنے کے باوجود گناہوں سے بچنے کا ملکہ عصمۃ ہے۔

۲۔ یہی عبارت اقرب الموارد میں ہے۔ ملاحظہ ہو اقرب الموارد جلد ۲ ص ۷۹۱ طبع مصر۔

۳۔ مفردات میں ہے
" وعصمة الانبياء حفظه ايا هم اولا بما خصهم به من صفاء الجوهر ثم بما اولاهم من الفضائل الجسمية والنفسية ثم بالنصرة وتثبيت اقدامهم ثم بانزال السكينة عليهم وبحفظ قلوبهم وبالتوفيق"
مفردات امام راغب اصفہانی ص ۳۴۱ طبع مصر

"عصمۃ انبیار" کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا اپنے نبیوں کو (ہر قسم کی برائی سے) محفوظ رکھنا، اولاً

اس صفاء جوہر کی وجہ سے جو انہی کے ساتھ خاص ہے پھر ان کے فضائل جسمیہ اور نفسیہ کی وجہ سے جو اللہ تعالے نے انھیں عطا فرمائے۔ پھر اپنی نصرت خاص اور انھیں ثابت قدم رکھنے کے ساتھ پھر ان پر سکون وطمانیت نازل فرماکر اور ان کے قلوب کو کجروی سے بچاکر اور اپنی توفیق ان کے شامل حال فرماکر۔

۴۔ یہی مضمون دستور العلماء میں ہے۔ دیکھیے دستور العلماء جلد ۲، ص ۳۲۵

۵۔ نبراس میں ہے

العصمة ملكة نفسانية يخلقها الله سبحانه فى العبد فتكون سبباً لعدم خلق الذنب فيه۔" نبراس ص ۵۳۲۔

عصمت وہ ملکۂ نفسانیہ ہے جسے اللہ تعالے اپنے برگزیدہ بندے (نبی) میں پیدا کرتا ہے۔ جو اس میں گناہ پیدا نہ ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

۶۔ شرح عقائد نسفی میں ہے

" وحقيقة العصمة ان لايخلق الله فى عبد الذنب مع بقاء قدرته واختياره

شرح عقائد نسفی، ص ۷۳

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کی قدرت اور اختیار کے باقی رہنے کے باوجود اللہ تعالے کا اس بندہ میں گناہ پیدا نہ کرنا۔

۷۔ اسی شرح عقائد میں بقول بعض علماء عصمۃ کی تعریف اس طرح بھی منقول ہے

" هى لطف من الله تعالے يحمله على فعل الخير ويزجره عن الشر مع بقاء الاختيار تحقيقاً للابتلاء "۔ شرح عقائد ص ۴،

عصمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا لطف ہے جو اللہ تعالے کے مقدس بندہ (نبی) کو فعل خیر پر برانگیختہ کرتا اور اسے شر سے بچاتا ہے، مع ابقاء اختیار کے تاکہ ابتلاء کے معنی برقرار رہیں۔

۸۔ مجمع بحار الانوار میں ہے

" والعصمة من الله دفع الشر"۔ جلد ۲، ص ۳۹۳

"عصمۃ من اللہ" دفع شر ہے۔

۹۔ مسامرہ میں ہے

" (العصمة) المشترطة معناها (تخصيص القدرة بالطاعة فلا يخلق له) اى

لمن وصف بہا (قدرۃ المعصیۃ)" مسامرہ جلد۲ ص ۸۱
عصمۃ مشترطہ کے معنی ہیں قدرت کا طاعت کے ساتھ خاص کر دینا۔ پس جو شخص اس عصمۃ کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے اس کے لیے معصیت کی قدرت پیدا نہیں کی جاتی۔

نبوۃ و عصمۃ کے متعلق ہم نے اکابر علمائے امت کے اقوال نقل کر کے ان کا خلاصہ ترجمہ ہدیۂ ناظرین کر دیا ہے اور تفصیلی ابحاث کو صرف اختصار کلام کے لحاظ سے نظر انداز کر دیا ہے۔ اجزائے موضوع کی تشریح کے بعد ضرورت نبوت پر بھی کلام کرنا ضروری ہے تاکہ منکرین نبوت کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے۔ اس کے بعد حکمت بعثت پر بھی غور کرنا ہے تاکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذوات قدسیہ کے ساتھ عصمت کا تعلق اچھی طرح واضح ہو سکے۔

ضرورت نبوّت

اس میں شک نہیں کہ انسان میں جسمانیت، حیوانیت اور ملکیت سب کچھ موجود ہے جسم کے متعلقات و مناسبات جسمانیت کے لیے ضروری ہیں جیسے زمان و مکان، تشکل و تناہی، ہیئت و مقدار وغیرہ اور حیوانیت کے لوازمات و ملحقات حیوانیت کے لیے لازم ہیں جیسے کھانا پینا اور اس کے متعلقات۔ علیٰ ہذا القیاس ملکیت کے مصححات و متعلقات کا ملکیت کے لیے ہونا ضروری ہے جیسے تسبیح و تحمید۔ لیکن جس طرح جسمانیت و حیوانیت و ملکیت تینوں انسان کے اردگرد گھومتی ہیں اسی طرح ان کے جملہ ضروریات و مناسبات بھی ضروریات و مناسبات انسانیہ کے آس پاس گردش کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ انسان کل کائنات کے حقائق لطیفہ کا مجموعہ ہے اور سب مخلوقات انسان کی خادم اور انسان سب کا مخدوم ہے۔ لہذا کل مخلوقات کی ضروریات انسان کی ضروریات کی خادم اور انسانی ضروریات سب کی مخدوم ہیں۔ گویا کل کائنات کی ضروریات، ضروریات انسانیہ کے محور پر گھوم رہی ہیں۔ دنیائے انسانیت کا یہ عظیم الشان نظام دامنِ نبوت سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن افراد انسانی کا رابطہ بارگاہِ نبوت سے قائم نہیں ہوا وہ حیوانیت اور بہیمیت کے گڑھوں میں جا گرے۔

ضرورت نبوّت پر پہلی دلیل

مقصد تخلیق کے حصول کا موقوف علیہ ہمیشہ ضروری ہوا کرتا ہے۔ انسان معرفت الٰہیہ کے لیے

پیدا کیا گیا ہے اور خدا کی معرفت کا حاصل ہونا نبوّت و رسالت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے نبوّت و رسالت کا وجود انسان کے لیے ضروری ہے۔ منکرین نبوت کا یہ کہنا علم و عقل کی روشنی میں قطعاً باطل ہے کہ جب انسان کے پاس حواس اور عقل دونوں موجود ہیں تو اسے نبوّت و رسالت کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں عرض کروں گا خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لیے نہ حواس کافی ہیں نہ عقل! جن لوگوں نے خدا کی معرفت کے لیے حواس کو کافی سمجھا وہ محسوسات اور مظاہر کائنات کی پرستش میں مبتلا ہو گئے۔ اور جنھوں نے عقل پر اعتماد کیا ان میں اکثر لوگ خدا کے منکر ہو گئے اور جو صریح انکار کی جرأت نہ کر سکے انھوں نے ذات و صفات کے مسائل میں ایسی ٹھوکریں کھائیں کہ معرفت کی راہوں سے بہت دور جا پڑے اور عقل ناتمام کی وادیوں میں بھٹک کر ظنون و اوہام کے گڑھوں میں جا گرے۔ قرآن کریم نے ایسے ہی لوگوں کے حق میں ارشاد فرمایا: ان یتبعون الا الظن و ان ھم الا یخرصون۔ رہا یہ امر کہ خدا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کی معرفت ضروری ہے یا نہیں۔ تو یہ ایک علیحدہ مستقل موضوع ہے جس پر ہم کسی دوسرے مقام پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ مصنوع کا وجود صانع کے وجود کی دلیل ہے۔ اور مصنوع کی تخلیق کسی حکمت و مقصد کے بغیر نہیں ہوتی۔ اور کسی مصنوع کی حکمت تخلیق کا فوت ہو جانا اس مخلوق کے عبث ہونے کو مستلزم ہے۔ انسان کے اوصاف و خواص اس امر کی دلیل ہیں کہ وہ اپنے خالق کا مظہر ہے۔ اب اگر وہ اس حقیقت کو پہچاننے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود بھی نہ پہچانے تو اس نے خود اپنے وجود کو عبث قرار دیدیا اور اگر پہچانے تو چونکہ وہ ذات باری تعالےٰ کا مظہر ہے لہذا اپنے آپ کو صحیح معنی میں پہچاننا در اصل اپنے خالق کو پہچاننا ہے جیسا کہ مشہور ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ معرفت خداوندی کے بغیر انسان کا وجود عبث ہے، اور اگر انسان چاہتا ہے کہ میرا وجود عبث نہ ہو تو معرفتِ الٰہیہ کے بغیر اس کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں۔

ضرورت نبوّت پر دوسری دلیل

قانون فطرت یہ ہے کہ ہر نوع کے مدرکات کو معلوم کرنے کے لیے اسی نوع کا ادراک عطا کیا گیا ہے۔ مثلاً مبصرات کو جاننے کے لیے ادراک بصری اور مسموعات کے لیے ادراک سمعی، علیٰ ہذا القیاس پانچوں حواس کو سمجھیے۔ ہر نوع محسوس کے لیے اسی نوع کا حاسہ ہمارے اندر

پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد معقولات کا وجود ہے جنھیں معلوم کرنے کے لیے عقل عطا فرمائی گئی۔ ادراکِ انسانی کی تگ و دو حواس و عقل سے آگے نہ تھی مگر اس کی ضروریات کا تعلق ان دونوں سے آگے تھا جسے عالمِ غیب کہا جاتا ہے۔ جب تک اس عالم تک کسی کی رسائی نہ ہو اس مقام کے ساتھ متعلقہ انسانی ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں۔ نبوت جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں اطلاع علی الغیب ہی کا نام ہے۔ لہذا انسانی ضرورتوں کے پورا ہونے کے لیے نبوۃ کا ہونا ضروری ہے۔

ضرورت نبوّت پر تیسری دلیل

حاسّہ سببِ ادراک ہے اور اس سے غلطی بھی واقع ہو جاتی ہے، لہذا اس کے ازالہ کے لیے عقل کا اس پر حاکم ہونا ضروری تھا۔ مگر جب عقل بھی ٹھوکر کھائے تو اس کا ازالہ نہ عقل کر سکتی ہے نہ حواس۔ کیونکہ حواس عقل کے محکوم ہیں اور عقل بحیثیت عقل ہونے کے مساوی ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ عقل پر ایسی چیز کو حاکم تسلیم کیا جائے جو غلطی سے پاک ہو اور وہ نبوۃ ہے۔ کیونکہ نبوۃ ہی غلطی سے مبرّا ہے۔ لہذا اختلافِ عقل کی مضرتوں سے بچنے کے لیے "نبوۃ" کو ماننا ضروری ہوا۔ نبوۃ کا غلطی سے پاک ہونا ہی عصمۃ نبوۃ کا مفہوم ہے۔ معلوم ہوا کہ "عصمۃ" لوازم نبوۃ سے ہے۔ اس مقام پر زلّاتِ انبیاء علیہم السلام سے وہم پیدا کرنا درست نہیں۔ انشاء اللہ یہ مفصل بحث ہم آگے چل کر ہدیۂ ناظرین کریں گے۔

استدراک

شاید اس بیان کی روشنی میں ضرورت نبوۃ کے ساتھ اجرائے نبوۃ کا شبہ پیدا کر لیا جائے اس لیے گذارش ہے کہ ضرورت نبوۃ سے اجرائے نبوۃ ہرگز لازم نہیں آتا۔

اللہ تعالٰی نے اپنی حکمت کے مطابق خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس وقت مبعوث فرمایا جب کہ نوعِ انسانی اپنی حیات کے منازل طے کرتی ہوئی ایسے مرحلہ پر پہنچ گئی تھی کہ اس کے لیے جو نظام مقرر کیا جائے قیامت تک اس کی تمام ضروریات کے لیے وہی قابلِ عمل ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ میں نے آج تمھارے لیے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی۔ اور میں نے تمھارے لیے دین اسلام پسند کر لیا۔

یہ ارشاد خداوندی منکرین ختم نبوت کے اس شبہ کا قلع قمع کرنے کے لیے کافی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوۃ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے دامن سے ایسا دین وابستہ ہے جو قیامت تک پیش آمدہ ضروریات کے پورا ہونے کا واحد ذریعہ ہے۔ نبوت و رسالت محمدیہ ہی بنی نوع انسان کے ہر فرد کے لیے ضروری ہے۔ اس کے بعد کسی کو نبوت دیا جانا متصور نہیں۔ ضرورت نبوۃ کے لیے اجراء نبوۃ کو لازم سمجھنا اکمال دین کے منافی ہے۔

ضرورت نبوّت کے بعد حکمت بعثت پر بھی غور کرتے چلیں تاکہ عصمت و نبوۃ کا باہمی تعلق اور زیادہ واضح ہو جائے۔

قرآن کریم میں بعثت انبیاء علیہم السلام کی حکمتیں بکثرت آیات میں بیان کی گئی ہیں جن میں بعض حسب ذیل ہیں:

۱۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ پارہ ۵ سورۃ نساء

۲۔ وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین۔ پارہ ۷ سورۃ انعام

۳۔ ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً۔ پارہ ۲۲ سورۃ احزاب

۴۔ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ پارہ ۵ سورۃ نساء

۵۔ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ پارہ ۴ سورۃ آل عمران

"ضرورت نبوۃ" کے ضمن میں جن امور کو ہم نے بیان کیا ہے، یہ آیات مبارکہ روز روشن کی طرح ان کی تائید کرتی ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت سے متعلق حسب ذیل حکمتوں کی نشاندہی کرتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اللہ کی اطاعت کرانا۔

۲۔ عالم غیب سے متعلق آخرت کی نعمتوں کی خوشخبری دینا اور عذاب الٰہی سے ڈرانا۔

۳۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا نجات اخروی اور سعادت ابدی کے لیے شرط ہونا۔

۴۔ اطاعت رسول کا اطاعت خداوندی ہونا تاکہ بندوں کے لیے اطاعت الٰہی کی راہ متعین ہو جائے۔

۵۔ آیات الٰہیہ کو تلاوت کرنا۔

۶۔ ایمان والوں کا ظاہر و باطن پاک کرنا۔

۷۔ کتابِ الٰہی اور حکمت و دانائی کی تعلیم دینا۔

بیانِ سابق کی تفصیلات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اگر نبوت و رسالت کے ان مناصب اور بعثتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حکمتوں پر غور کیا جائے تو یقیناً عصمتِ نبوت کا اقرار کرنا پڑے گا۔

کم از کم اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس کام کے کرنے کی صلاحیت کسی میں نہ ہو وہ کام اس کو سپرد نہیں کیا جاتا۔ ایک ظالم کو کرسیٔ عدالت پر بٹھانا، ان پڑھ آدمی کو علم و حکمت کی موشگافیوں کا کام سونپنا، کسی بدکار فاسق و فاجر کو عفیفات کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے متعین کرنا، بیمار و ناتواں کے سر پر بھاری بوجھ رکھ دینا، گم کردہ راہ سے ہدایت طلب کرنا کسی عاقل کا کام نہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان امور کی صلاحیتوں کے بغیر ہی اللہ تعالےٰ ان کی انجام دہی کا منصب انبیاء علیہم السلام کو سونپ دے؟ جب یہ ممکن نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالےٰ نے منصبِ نبوت کے ساتھ وہ تمام قوتیں اور صلاحیتیں بھی انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائی ہیں جن کا ہونا ان کے لیے ضروری تھا اور یہی عصمت کا مفہوم ہے جس کے بغیر نبوت ایسی ہے جیسے بینائی کے بغیر آنکھ اور روشنی کے بغیر سورج!

مسئلہ عصمت میں اقوالِ علماء

امورِ تبلیغیہ میں کذبِ عمد سے عصمتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جمیع اہلِ ملل و شرائع کا اجماع ہے، اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ تبلیغ میں انبیاء علیہم السلام سے عمداً صدورِ کذب عقلاً محال ہے۔ شرح مواقف میں اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اذ لو جاز علیهم التقول والافتراء فی ذالک عقلا لادی الی ابطال دلالة المعجزة وهو محال۔" شرح مواقف جلد ۸ ص ۲۶۳ طبع مصر۔

کیونکہ اگر یہ (کذب عمد فی التبلیغ) عقلاً جائز ہو تو دلالتِ معجزہ کے ابطال کی طرف مؤدی ہوگا اور وہ محال ہے۔

البتہ "علی سبیل السہو والنسیان" میں قاضی ابوبکر نے اختلاف کیا ہے، مگر ائمہ اعلام اس میں بھی عقلاً عدمِ جواز ہی کے قائل ہیں۔ رہے باقی ذنوب یعنی کذب فی التبلیغ کے علاوہ۔ تو وہ کفر ہوں گے یا غیر کفر۔ عصمت عن الکفر پر اجماعِ امت ہے عام اس سے کہ قبل النبوۃ ہو یا بعد النبوۃ۔ اس اجماع کے

خلاف خوارج کے ایک خاص گروہ ازارقہ کا قول پایا جاتا ہے جو اہل حق کے نزدیک باطل و مردود ہے۔ قائلین تقیہ نے انبیاء علیہم السلام سے خوف کے وقت تقیۃً اظہار کفر کو جائز مانا ہے۔ مگر اہل حق کے نزدیک یہ قول بھی قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ یہ اخفائے دعوت اور ترک تبلیغ رسالت کی طرف مفضی ہے جو انبیاءؑ علیہم السلام کے حق میں محال ہے۔

اب ان گناہوں کے متعلق سنیے جو کفر کے ماسوا ہیں تو ان کی دو قسمیں ہیں کبائر و صغائر۔ ان میں سے ہر ایک کے دو حال ہیں یا ان کا صدور عمداً ہو گا یا سہواً۔ دو کو دو سے ملا کر چار قسمیں حاصل ہوئیں۔ کبیرہ عمداً، کبیرہ سہواً، صغیرہ عمداً، صغیرہ سہواً۔ ان اقسام اربعہ میں سے ہر ایک قبل البعثت ہو گا یا بعد البعثت۔ انبیاء علیہم السلام سے کبائر کا صدور خواہ عمداً ہو یا سہواً بعد النبوۃ شرعاً محال ہے، قول مختار یہی ہے۔ قبل النبوۃ اکثر مشائخ کے نزدیک محال نہیں۔ اسی طرح عمداً بعد البعثت صغائر کا صدور بھی محال ہے، سہواً میں اختلاف ہے، اکثر مشائخ جواز (یعنی امکان) کے قائل ہیں۔ لیکن جو صغائر رذالت و خست اور دناءۃ کا موجب ہوں بالاتفاق ان کا صدور انبیاء علیہم السلام سے ممکن نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس محققین اہلسنّت کے نزدیک، انبیاء علیہم السلام ان امور سے بھی معصوم ہیں جو موجب نفرت ہوں جیسے امہات و زوجات کا فجور اور آباء کی دناءۃ و رذالت۔ مختصر یہ کہ باب ذنوب میں جمہور اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی نبوت کے زمانہ میں کبائر سے مطلقاً اور صغائر عمداً سے معصوم ہیں، اور انھوں نے اپنے اس دعویٰ پر حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں:

پہلی دلیل: از روئے قرآن و اجماع انبیاء علیہم السلام کی اتباع فرض ہے۔ قال اللہ تعالےٰ: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اور گناہ حرام ہے۔ اگر کسی نبی سے گناہ صادر ہو تو اس کی اتباع حرام ہو گی کیونکہ اس صورت میں وہ گناہ بھی کرنا پڑے گا جو نبی نے کیا ورنہ اس کی اتباع نہ ہو سکے گی اور گناہ حرام ہونے کی وجہ سے نبی کی اتباع بھی حرام ہو گی۔ اور نبی کی اتباع کا حرام ہونا قطعاً باطل ہے۔ لہذا نبی سے گناہ کا صادر ہونا بھی باطل ہو گا۔

دوسری دلیل: اجماع اور قرآن کی رو سے گناہگار کی شہادت مردود ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو معاذ اللہ وہ مردود الشہادۃ قرار پائیں گے اور یہ قطعاً محال ہے۔ لہذا ان سے گناہ کا ہونا بھی محال ہے۔

تیسری دلیل: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو انھیں گناہ سے باز رکھنے کے لیے زجر کرنا پڑے گا جو ایذا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی ایذا قطعاً

حرام ہے۔ لہٰذا ان سے گناہ کا صدور ممکن نہیں۔

چوتھی دلیل: "گناہ" ظلم و معصیت اور موجب ملامت و مذمت ہے اور ظالم و عاصی کے حق میں لعنت اور نار جہنم کی وعید قرآن کریم میں وارد ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ومن یعص اللّٰہ و رسولہ فان لہ نار جہنم (پارہ ۲۹ سورۃ جن)۔ نیز فرمایا: الا لعنۃ اللّٰہ علی الظالمین (پارہ ۸ سورۃ الاعراف) اسی طرح ملامت و مذمت بھی وارد ہے۔ ارشاد فرمایا: لم تقولون مالا تفعلون (پارہ ۲۸ سورۃ الصف)۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے: اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم (پارہ ۱ سورۃ بقرہ) اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہو تو خاکم بدہن وہ نار جہنم کے مستحق، ملامت کے حقدار اور ملعون و مذموم ہوں گے جو قطعاً باطل ہے۔ لہٰذا ان سے گناہ کا صادر ہونا بھی باطل و مردود ہے۔

پانچویں دلیل: اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے گناہ صادر ہوں تو وہ اپنی امت کے گناہگاروں سے بھی زیادہ بدحال اور گئے گذرے ہوں گے۔ کیونکہ بزرگی اور کرامت میں جس قدر زیادہ مرتبہ بلند ہو، گناہ کرنے پر اسی قدر عقلاً و نقلاً زیادہ عذاب کا استحقاق ہوتا ہے۔ نبوت سے زیادہ بلند کوئی مرتبہ نہیں اس لیے نبی کے گناہ کا عذاب تمام گناہگاروں کے عذاب سے زیادہ ہوگا اور یہ ایسی زبوں حالی ہے جو نبی کے حق میں متصور نہیں۔ لہٰذا گناہ کا صدور بھی کسی نبی سے نہیں ہو سکتا۔

چھٹی دلیل: "گناہ" اپنے نفس پر ظلم ہے اور ظالم اللہ تعالےٰ کے عہد کو نہیں پا سکتا۔ قرآن مجید میں ہے: لاینال عھدی الظالمین (پارہ ۱ سورۃ بقرہ)۔ نبوت سب سے بڑا عہد ہے جو کسی ظالم کو نہیں مل سکتا۔ انبیاء علیہم السلام نے جب عہد نبوت کو پا لیا تو ثابت ہوگیا کہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں۔

ساتویں دلیل: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالےٰ کے عباد مخلَصین ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے حق میں ارشاد الٰہی وارد ہے: انہ من عبادنا المخلَصین (پارہ ۱۲ سورۃ یوسف) اور موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: انہ کان مخلَصا وکان رسولاً نبیاً (پارہ ۱۶ سورۃ مریم)۔ اور حضرت ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: انا اخلصناھم بخالصۃ ذکری الدار وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار (پارہ ۲۳ سورۃ ص)۔ المخلَصین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کے لیے خاص کر لیتا ہے اور انھیں ہر اس چیز سے معصوم کر دیتا ہے جو طاعت خداوندی کے خلاف ہے۔ اس لیے مخلَصین سے گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا۔

اور اسی بنا پر شیطان نے کہا تھا: لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلَصین (پارہ ۲۳ سورۃ ص) میں سب کو بہکاؤں گا سوا تیرے مخلص بندوں کے۔ اللہ تعالےٰ نے اس بات میں اس کی تکذیب نہیں

فرمائی بلکہ : ان عبادی لیس لک علیھم سلطان (پارہ ۱۴ سورۃ ابراہیم) کہہ کر تصدیق فرمائی۔ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور گناہوں کا ارتکاب ان سے نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ ان کا مصطفیٰ اور اخیار (یعنی برگزیدہ اور پسندیدہ) ہونا ان کی عصمت عن المعصیۃ کو اور بھی زیادہ واضح کر رہا ہے۔ اگر اس مقام پر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ بعض انبیاء غیر مخلص ہیں اور بعض مخلص غیر انبیاء ہیں۔ اگر مخلص ہونا عصمت کی دلیل ہے تو غیر مخلص نبی کی عصمت ثابت نہ ہو گی، اور مخلص غیر نبی کا معصوم ہونا بھی لازم آ جائے گا حالانکہ یہ دونوں امر مستدل کے نزدیک باطل ہیں۔ تو میں عرض کروں گا کہ یہ شبہ اس وقت درست ہو سکتا تھا جب کہ انبیاء علیہم السلام کو عام لغوی معنی کے اعتبار سے مخلص کہا جائے۔ لیکن قرآن مجید میں ایسے خاص معنی کے لحاظ سے انبیاء کرام کو مخلص فرمایا گیا ہے جو نبوّت کی خصوصیات اور اس کے لوازمات سے ہیں جن کی رو سے ہر نبی کا مخلص ہونا ضروری ہے اور کسی غیر نبی کا مخلص ہونا ممکن نہیں۔ جیسا کہ سورۃ ص کی آیت منقولہ بالا: انا اخلصناھم بخالصۃ ذکری الدار سے واضح ہے کہ یہاں اللہ تعالےٰ نے انا اخلصناھم فرما کر "اخلص" فعل کی اسناد اپنی ذات مقدسہ کی طرف فرمائی۔ یعنی ہم نے انھیں مخلص بنایا پھر آیۃ مبارکہ میں ان کے مخلص ہونے کا سبب خالصۃ کو قرار دیا گیا ہے اور ذکری الدار اس کا بیان ہے۔ خالصۃ کی تنوین تنکیر برائے تعظیم ہے یعنی اللہ تعالےٰ نے انھیں خصلت خالصہ عظیمہ و جلیلہ کے سبب مخلص کیا ہے جو آخرت کی یاد ہے اور یاد آخرت سے مراد ان کا انذار و تبشیر ہے جس کا ذکر آیۃ کریمہ وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین (پارہ ۷ سورۃ انعام) میں وارد ہے۔ یوں تو ہر ایک یاد آخرت کر لیتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ سے بصیرت و یقین پاکر نعمائے جنت کی خوشخبری سنانے اور عذاب نار سے ڈرانے پر مأمور ہو کر یاد آخرت کرنا ایسی خصلت خالصہ عظیمہ و جلیلہ ہے جو نبوت کا خاصّہ اور لازمہ ہے۔ نیز اس نوعیت سے بشیر و نذیر ہونا اور آخرت کی دائمی یاد کرنا ہر نبی کے لیے لازم اور نبوّۃ کا خاصہ ہے۔ اس بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہر نبی مخلص ہونے کی وجہ سے معصوم ہے اور کوئی غیر نبی ان معنی میں مخلص نہیں جو انبیاء مخلصین میں پائے جاتے ہیں۔ لہذا کسی غیر نبی کا معصوم ہونا لازم نہیں آتا۔

آٹھویں دلیل: اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقاً من المؤمنین (پارہ ۲۲ سورۃ سبا) وجہ استدلال یہ ہے کہ الا فریقاً من المؤمنین سے انبیاء علیہم السلام مراد ہیں یا ان کی امت کے مومنین؟ بر تقدیر اول ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ اتباع شیطان ہی گناہ ہے، جب وہ اتباع شیطان سے محفوظ رہے تو یہی محفوظیت ان کے حق میں عصمت ہے۔

برتقدیر ثانی انبیاء علیہم السلام کا اتباع شیطان سے محفوظ رہنا بطریق اولیٰ ثابت ہو گا کیونکہ جس کی امت کے مومنین شیطان کے متبع نہیں وہ نبی کیونکر اس لعین کا متبع ہو سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شیطان کی اتباع سے بچنا تقویٰ ہے اور بدلالت نص قطعی ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات) تقویٰ معیار فضیلت ہے۔ اگر الا فریقاً من المؤمنین سے مومنین مراد لے کر انبیاء علیہم السلام سے صدور گناہ کا قول کیا جائے تو غیر نبی کا نبی سے افضل ہونا لازم آئے گا جو بالاتفاق باطل ہے۔ ثابت ہوا کہ ہر تقدیر انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا اس آیت کا مفاد ہے۔

نویں دلیل: اللہ تعالیٰ نے مکلفین کو دو گروہ میں تقسیم فرمایا حزب اللہ اور حزب الشیطان۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صدور مانا جائے تو کم از کم صدور معصیت کے وقت تو معاذ اللہ وہ ضرور ہی حزب الشیطان قرار پائیں گے کیونکہ مطیع حزب اللہ ہیں اور عاصی حزب الشیطان۔ اور حزب الشیطان خاسرین ہیں۔ لقولہ تعالیٰ: الا ان حزب الشیطان ھم الخاسرون (پارہ ۲۸ سورۃ المجادلہ) ایسی صورت میں العیاذ باللہ انبیاء کرام کو خواہ ایک آن ہی کے لیے ہو، خاسرین کہنا پڑے گا جو بداہتہً باطل ہے۔ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صدور قطعاً ممکن نہیں۔

علاوہ ازیں بکثرت افراد امت زہاد و عباد زمرۂ مفلحین میں داخل ہیں۔ پھر یہ عجیب بات ہو گی کہ افراد امت مفلحون ہوں اور انبیاء خاسرون۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ساء ما یحکمون۔

دسویں دلیل: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا: انھم کانوا یسارعون فی الخیرات (پارہ ۱۷ سورۃ الانبیاء) بے شک وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے۔ "الخیرات" جمع معرف باللام ہے اور ایسی جمع عموم کے لیے ہوتی ہے لہٰذا وہ فعل اور ترک دونوں سے متعلق سب نیکیوں کو شامل ہو گی فعل سے مراد وہ نیکیاں ہیں جو عمل اور قول سے حاصل ہوتی ہیں جیسے نماز روزہ، حج و زکوٰۃ۔ اور ترک سے وہ نیکیاں مراد ہیں جو کسی کام کو نہ کرنے سے حاصل ہوتی ہیں جیسے جھوٹ، چوری، غیبت، زنا نہ کرنا۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح عبادات فعلیہ کا عمل میں لانا نیکی ہے اسی طرح گناہ کے کاموں کا نہ کرنا بھی نیکی ہے اور "الخیرات" کا لفظ سب کو شامل ہے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام گناہ نہ کرنے میں بھی مسارعت کی صفت سے متصف ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے قول: انھم عندنا لمن المصطفین الاخیار (پارہ ۲۳ سورۃ ص) میں لفظ "مصطفین" اور "اخیار" دونوں ہر اس فعل اور ہر اس ترک کو شامل ہیں جس میں نیکی، پسندیدگی اور برگزیدگی کے معنی پائے جائیں۔ اس عموم کی دلیل

صحت استثناء ہے۔ کیونکہ یہ کہنا جائز ہے کہ فلان من المصطفین الا فی کذا او من الاخیار الا فی کذا۔ مستثنیٰ منہ کا عموم صحت استثناء کی شرط ہے جب یہاں استثناء صحیح ہے تو عموم ثابت ہو گیا اور عموم اس امر کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کل امور میں برگزیدہ اور پسندیدہ ہیں لہٰذا ان سے گناہ کا صدور جائز نہ ہوا۔

استدراک

یہاں بعض لوگوں نے یہ شبہ وارد کیا ہے کہ اصطفاء صدور معصیت کے منافی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا فمنھم ظالم لنفسہ (پارہ ۲۲ سورۃ فاطر) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مصطفین کو تین قسموں میں منقسم کر دیا ظالم، مقتصد اور سابق۔ ان اقسام میں ظالم کا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اصطفاء کے باوجود بھی گناہ ہو سکتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ انبیاء علیہم السلام آیت کریمہ میں مذکور نہیں نہ وہ الذین میں شامل ہیں۔ یہاں غیر انبیاء کا اصطفاء مذکور ہے اور غیر انبیاء کے اصطفاء پر انبیاء علیہم السلام کے اصطفاء کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ اصطفاء کے مراتب مختلف ہیں ہر شخص کا اصطفاء اس کے حسب حال ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حال باقی تمام کائنات سے افضل و اکمل ہوتا ہے اس لیے ان کا اصطفاء بھی کل مخلوقات سے اکمل و اعلیٰ ہونا ضروری ہے، لہٰذا غیر انبیاء کے (لغوی) اصطفاء کا صدور ذنب کے منافی نہ ہونا ہرگز اس بات کو مستلزم نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا اکمل و اعلیٰ اصطفاء بھی صدور ذنب کے منافی نہ ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ فمنھم ظالم میں ضمیر مجرور "مصطفین" کی طرف نہیں بلکہ "عباد" کی طرف راجع ہے کیونکہ اقرب مذکورین کی طرف ضمیر کا لوٹنا اولیٰ ہے۔ لہٰذا اقسام ثلثہ (جن میں ظالم بھی شامل ہے) مصطفین کے نہیں بلکہ عباد کے ہیں۔ اس تقدیر پر شبہ مذکورہ اصل سے ساقط ہو گیا۔ و للّٰہ الحمد۔

زیر نظر مضمون کے اکثر مطالب اور عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر یہ دس دلیلیں ہم نے شرح مواقف کو سامنے رکھ کر مرتب کی ہیں اور حسب ضرورت دلائل کی قوت کو واضح کرنے کے لیے بعض مقامات پر بسط کے ساتھ کلام کر دیا ہے۔ اہل علم حضرات سے امید ہے کہ وہ ہماری اس جرأت کو ضرورت پر محمول فرمائیں گے۔

اب ان مخالفین کی طرف آیئے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد البعثت عمداً صدور کبائر و

صغائر کو جائز مانتے ہیں ۔

ان لوگوں کا استدلال قصص انبیاء علیہم السلام سے ہے جن میں سے بعض قصے قرآن وحدیث اور آثار صحابہ میں منقول ہیں جن سے بظاہر وہم پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے ان کے زمانہ نبوۃ میں گناہوں کا صدور ہوا۔ سب کا اجمالی جواب یہ ہے کہ وہ واقعات اخبار آحاد میں منقول ہیں، یا بطریق تواتر۔ پہلی صورت میں واجب الرد ہیں اس لیے کہ کسی راوی کی طرف خطا کا منسوب کر دینا انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ منسوب کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

برتقدیر ثانی چونکہ وہ دلائل عصمت سے متعارض ہیں اس لیے مؤول ہوں گے! وجوہ تاویل موقع محل، اور اقتضاء کلام کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف ہوں گی۔ مثلاً بعض واقعات کو بشرط اقتضاء مقام قبل البعثت پر حمل کیا جائے گا۔ بعض میں اقتضاء مقام کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے ان افعال کو جنھیں منکرین عصمت معصیت قرار دیتے ہیں " ترک اولی " کہا جائے گا۔ بعض مواقع ایسے بھی ہوں گے جہاں موقع محل کی مناسبت سے ان افعال کو صدور صغیرہ سہواً قرار دیا جائے گا۔ کسی جگہ موہم کلام کو دلیل کی روشنی میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تواضع اور کسر نفسی پر حمل کیا جائے گا۔

رہا یہ شبہ کہ ان افعال میں بعض ایسے ہیں جن کے لیے لفظ ذنب وارد ہوا جیسے لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک ۔ بعض وہ ہیں جن کے ارتکاب کے بعد حضرات انبیاء علیہم السلام نے استغفار فرمایا۔ نیز ان میں بعض ایسے افعال بھی ہیں جنھیں کرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام نے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے کا اعتراف کیا۔ پھر انھیں کیونکر ترک اولی یا صغائر صادرہ عن السہو پر حمل کیا جاسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ترک اولی جیسے ہلکے امور کو ذنب سے تعبیر کرنے کی وجہ منصب نبوت کی عظمت اور انبیاء علیہم السلام کے درجات کی رفعت وبلندی ہے۔ اور اسی عظمت و رفعت کے پیش نظر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے صغیرہ صادرہ عن السہو اور خلاف اولی کاموں پر اعتراف ظلم کر کے استغفار کیا۔

تعلیمات قرآنیہ کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین ع

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے

یہ بھی حق ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے عاجزی، تواضع، کسر نفسی کے لیے اعتراف ظلم اور استغفار

فرمایا۔ ان مقدسین کا ایسا کرنا دراصل اپنے رب کی بارگاہ میں تضرع وزاری ہے اور یہ اعتراف واستغفار ان کے انتہائی فضل وکمال پر دال ہے چہ جائیکہ اسے ان کے ظالم وعاصی ہونے کی دلیل بنالیا جائے۔

مخالفین کے دلائل کا اجمالی جواب تو ہم دے چکے۔ البتہ اہل علم کی دلچسپی کے لیے تفصیلی گفتگو باقی ہے جسے ہم کسی دوسری فرصت پر ملتوی کرتے ہیں۔